

”وہ شیر محمد ہی تھا.. آ ہو“ وہ اپنے یہ جان میں اور پھولے ہوئے سائنس میں بے ربط ہو رہا تھا ”مجھے.. مجھے یاد تھا کہ فصیل کی جانب جاتے ہوئے میں کہاں اور کس پر گرا تھا.. واپسی پر میں نے اُس کے پاس بیٹھ کر اُسے غور سے دیکھا ہے۔ وہ دانت نکلو سے ہونٹ سکڑے مرا پڑا تھا۔ شکر ہے اُس کا کوئی دانت سونے کا نہ تھا۔ اور میں نے اُسے پہچان لیا۔“

”شٹ اپ اللہ بخش.. کیپ کواٹ.. تم گھوڑے کو زروس کر دو گے..“
”پتہ ہے جانی کیسے پہچان لیا.. اُس کے ہونٹ اُسی مسکراہٹ میں سکڑے ہوئے تھے جو ماہیا گاتے ہوئے اُس کے چہرے پر پھیلتی تھی.. میں نے اُسے ہلا جلا کر دیکھا ہے.. اُس کے ہاتھ بھی پشت پر بندھے ہوئے تھے اور میں نے کھول دیئے.. اپنے ایک بیلی کے لیے اتنا توکرنا چاہیے.. دیے اُسے مرتب ہوئے زیادہ تکلیف نہیں ہوئی ہو گی.. اُس کا جنش بہت بھاری ہو رہا تھا، مردہ ہونے سے بھی اور مشین گن کی درجنوں گولیوں کے بھار سے بھی تو وہ دوسروں کی طرح سک سک کر نہیں مر ایکدم مر گیا ہو گا.. اُسے تکلیف نہیں ہو گی.. میرا جی چاہتا تھا کہ اُسے گھیٹ کر اپنے ساتھ تھہ خانے میں لے چلوں.. پر سکت نہیں تھی، وہ بہت بھاری ہے.. میں بہت خوش ہوں کہ میں نے اُسے پہچان لیا ہے..“

وہ صحن کے عین درمیان میں بھتوں کی طرح چاندنی میں کھڑے تھے.. گھوڑے نے بھی اپنے کان ہلانے تھے جیسے اللہ بخش کی یاد گوئی میں دلچسپی لے رہا ہو..

یہ ستانے کا ایک بہانہ بھی تھا..

اُن سب کی مکمل چپ سے اللہ بخش کا شیر محمد کو پہچان جانے کا جوش یکدم ٹھنڈا پڑ گیا اور کچھ دیر کھانے کے بعد وہ بھی چپ ہو گیا.. دھول پئے بیکار ہو چکے کیڑوں کی خوراک سینکڑوں سرد اجسام کے

درمیان.. مکر چاندنی میں نہائے ہوئے وہ سب اور گھوڑا کمل چپ میں حنوط کھڑے تھے جیسے سنگی مجسمے ہوں.. موت کی آرٹ گیلری میں نمائش پر ہوں۔ اُن پر جو لمحہ وارد ہوا تھا اُس میں وہ فراموش کر چکے تھے کہ وہ کہاں ہیں اور کیوں ہیں.. اُس لمحے وہ مٹی میں الٹی ہوئی بے انت لاشوں جتنے ہی بے جان اور مردہ تھے.. سانس بھی نہ لیتے تھے.. کسی طسم کے سامنے میں تھے.. بُت ہو چکے چپ کے سکوت میں بے جان بے حس تھے..

انہیں کسی مجسمہ ساز نے اسی حالت میں تراش دیا تھا.. ایک گھوڑا اور اُس کے آس پاس چیتھروں میں ڈھکے ان ڈھکے دریدہ بدن قبل از تاریخ کے چند انسان.. جو ابھی تو اتنے لا غر تھے کہ قدم قدم پہ ڈھے جاتے تھے اور اب ایک مدت سے یوں کھڑے تھے جیسے اُن کی تصویر بن گئی ہو اور وہ جس حالت میں تھے اُس میں سمجھم گئے ہوں..

ڈھول بیٹھ چکی تھی..

وہ مر چکے لوگوں کے نہنوں اور آنکھوں میں بھر چکی تھی..

لاشوں کے اوپر جو فضا تھی وہ صاف شفاف اور سرد تھی..

اس میں اگر کوئی سانس لینے والا ہو تو ایک نظر ہوا سانس لے سکتا تھا..

چاندنی کے بے حساب مکر میں وہ سب اور گھوڑا شاہد کئی صد یوں تک سکوت میں رہے اور پھر وہ یکدم وارد ہونے والا لمحہ یکدم دفن ہوا اور اُس کی قبر میں سے موسیقی اور والہانہ گیتوں کی آواز باہر آئی اور اُن سب کے گرد پھیلنے لگی..

گھوڑا سب سے پہلے اس سکوت میں سے باہر آیا اور گردن انٹا کر آہستگی سے ہنہنا لیا..

اُس کے ہنہنانے سے یہ طسم ٹوٹا اور وہ سب بھی زندہ ہو گئے..

پکے روزنوں اور محرابوں میں سے موسیقی کی مدد ڈھنیں گزرتی تھیں اور

قلعہ جنگی کے صحن میں پھیلی مکر چاندنی کے سہارے اُن تک پہنچتی تھیں..
وہ پھر سے زندہ ہوئے.. مجسٹے کے روپ بہروپ سے باہر سکوت ترک
کر کے آئے تو پھر سے چلنے لگے..

گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلنے والوں کو آسانی یہ تھی کہ وہ اب لا شوں پر
چلتے ٹھوکر نہیں کھاتے تھے جہاں گھوڑا جھجک کر پاؤں اٹھاتا وہ بھی احتیاط کرتے
تھے۔ لیکن ایک کائناتی خاموشی کے بعد اُن کے کانوں میں جو موسیقی لہریں لیتی در
آئی تھی اُس نے انہیں زندگی کے قریب کر دیا..

جانی اُس کی نامانوس دھن پر سر ہلاتا جا رہا تھا.. ایک عرصے کے بعد اُس
نے موسیقی کو اپنے اندر اُترنے دیا تھا.. اگرچہ اُسے پشیمان ہونا چاہیے تھا کہ ایک
حرام شے اُس کے اندر اُتر رہی ہے لیکن وہ سر ہلاتا چلا جا رہا تھا کہ اُس کا.. حالت کفر
میں بتلا بدین نظام اُسے بے اختیار کرتا تھا.. اُس نے زکے بغیر مرتضیٰ کو مخاطب
کیا ”موسیقی کے ساتھ جو گیت سنائی دے رہے ہیں کیا تم ان کو سمجھ سکتے ہو؟.. یہ
ہم سے کیا کہتے ہیں؟“

”یہ ہم سے کچھ نہیں کہتے امریکی..“ مرتضیٰ نے اپنی داڑھی میں انگلیوں
سے سکنگھی کرتے ہوئے کہا.. بالوں میں کسی زخم کی کھر چن سخت ہو رہی تھی...
”یہ گیت بھی نہیں جانتے کہ ہم یہاں ابھی تک زندہ ہیں.. یہ صرف دوزبانوں
میں ہو سکتے ہیں.. پشتو میں یا پھر فارسی میں..“

”تو پھر یہ فارسی میں ہوں گے.. شمال والے گا بجارتے ہیں.. اگر یہ پشتو
میں ہوتے تو اُس کے چند لفظ میں بھی سمجھ لیتا ہوں.. تمہارے ہاں فارسی کو ایک
کلامیکی زبان کی حیثیت سے تو پڑھا جاتا ہے میں یہ بھی جانتا ہوں..“

”ویسے میں نے بھی فارسی تو تھوڑی بہت پڑھی تھی سکول میں“ مرتضیٰ
کے لبجے میں ایک سکول کے بنچے ایسی معصوم خوشی خخلکتی تھی ”بس اتنا یاد رہ گیا

ہے کہ است.. کامطلب.. ہے.. اور بود کے معنی... تھا.. اور مجھے جو کچھ بلکا بلکا
سنائی دے رہا ہے تو اس میں کہیں "است" یا "بود" سنائی نہیں دے رہا.. "مرتضی"
یکدم خاموش ہو گیا.. دیر بعد بولا تو ایک موت کے منتظر مریض کے لجھے میں بولا
"جانی... ہم سب "است" اور "بود" سے ماورا ہو چکے ہیں"

وہ اپنے گھر کے قریب پہنچ گئے..

انہیں قلق ہوا کہ وہ اپنے گھر کے قریب پہنچ گئے ہیں..

اس گھر میں اترنے کے بعد.. سینتیس سیڑھیاں اترنے کے بعد یہ امکان
کم تھا کہ انہوں نے کبھی کھلی فضائیں پھر باہر آنا تھا.. بے شک قلعہ جنگی کی کھلی
فضائیں مردوں کے لفڑی سے اٹھنے والی ناقابل برداشت بدبو راج کرتی تھی.. پھر
بھی انہیں قلق ہوا... جیسے دنیا چاہے کتنی ہی اذیت ناک کیوں نہ ہو اسے چھوڑ کر
خود قبر میں اترنے کو جی نہیں چاہتا.. ان کی جو قبر تھی اُس میں اترنے کے لیے
سینتیس سیڑھیوں کی سہولت تھی..

اگر تو صرف خود سے اُس قبر میں اترنا ہوتا تو کچھ آسان ہوتا مگر اپنے
ساتھ ایک گھوڑے کو بھی اٹارنا.. ایک ایسا مسئلہ تھا جس کا حل فہرہ کی کسی کتاب
میں نہیں ملتا تھا.. انہوں نے اپنے گھر میں اترنے سے پیشتر ایک آخری نگاہ قلعہ جنگی
کے صحن پر ڈالی.. وہاب مٹی بھری سر بریدہ مسخ شدہ اس صحن میں بکھری لا تعداد
لاشوں سے متاثرہ ہوتے تھے جن پر اولین کیڑوں مکوڑوں کی آمد و رفت شروع
ہو چکی تھی کہ وہاب اُس لینڈ سکیپ کا ایک حصہ بن چکی تھیں.. ان کے بغیر شائد
وہ اسے پہچان بھی نہ سکتے.. جیسے "لاست سپر" کی تصویر کو حضرت عیسیٰ اور ان
کے حواریوں کے بغیر نہیں پہچانا جاسکتا.. مزار شریف کی بستی سے ابھر کر اس بلند
میدان میں اترنے والی موسیقی اور اُس میں غل مچاتی آوازوں کو انہوں نے آخری
بار سنایا.. اور پھر گھوڑے کی پشت پر ہتھیلیاں جما کر اُسے سیڑھیوں سے اترنے کے

لیے دھکلینے لگے .. مجبور کرنے لگے ..

گھوڑوں کو عام طور پر سیرھیوں سے اترنے کی تربیت نہیں دی جاتی ...
 اس لیے وہ بڑی طرح جمیکتے ہیں .. ہنہناتے ہیں اور مدافعت کرتے ہیں .. پچھلی
 نانگوں پر پیچھے ہوتے جاتے ہیں۔ یہی کچھ اس گھوڑے نے بھی حتی المقدور کیا ..
 اپنی اگلی نانگوں میں زور بھر کر پیچھے ہو جانے کی سعی کی .. انکاری ہو گیا .. لیکن اُس
 کی پشت اور پسلیوں پر جبے ہاتھ بہت تھے اگرچہ اُن کی گرفت میں نقاہت تھی
 پھر بھی بہت تھے .. اور اگر اُن میں نقاہت تھی تو گھوڑے کا بدن بھی تو لا غر اور
 کمزور ہو چکا تھا .. وہ اُن ہاتھوں کا کہنا مان گیا اور اپنی نانگوں میں سے سکت خارج
 کر دی اور دھکلیلا جانے لگا ..

انکتا .. ٹھوکریں کھاتا .. اگرچہ ہر سیرھی پر جمیکتا خوف کھاتا .. اترنے لگا ..
 اُس کی شکلی پشت پر ابھی تو مکر چاندنی کا غبار ٹھہرا ہوا تھا اور ابھی وہ ایک اندھیری
 چپھا کی تاریکی میں جانے لگا ..

پہلے تو ہر لاش دکھائی دیتی تھی مگر اب نیچے تہہ خانے میں کچھ دکھائی نہ
 دے رہا تھا .. بے شک وہاں صحن میں لاشیں تھیں لیکن انہیں بھی دیکھنا چھالگتا تھا
 کہ آنکھیں دیکھنے کے لیے ہوتی ہیں ..

ہاشم نے ابھی تک اُس کی باگ ڈھیلی چھوڑ رکھی تھی لیکن اب وہ اُسے
 تناؤ میں لا کر کھینچتا جاتا تھا اور گھوڑا اُترتا جاتا تھا ..

سب نے اپنی اپنی ہتھیلیاں ہٹالی تھیں اور وہ بھی انکتے ٹھوکریں کھاتے
 نیچے آرہے تھے .. چاندنی کا غبار ابھی تک اُن کی آنکھوں میں ٹھہرا ہوا تھا اور وہ کچھ
 بھی دیکھنے سکتے تھے ..

سب نیچے اُتر آئے تھے لیکن گل شیر ولی ابھی تک پہلی سیرھی پر کھڑا
 چاندنی میں تھا .. ”اوے خاناں ..“ اللہ بخش پکار اٹھا ”اوے خانہ خراب اوپر کیا

کر رہے ہو.. نیچے آ جاؤ.. مرنا ہے؟“

”ہاں یارا.. مرنا ہے“ اُس کی ہنسی میں ایک فاتر العقل بیجان تھا“ یارا اوپر یا نیچے مرنا ہے تو بندہ اس کافر چاندنی میں مرے.. ہم تھوڑا امزہ کرتا ہے۔ نظارہ کرتا ہے یارا.. دیر میں بھی ایسا چاندنی ہوا کرتا تھا..“

”خاں صاحب رومنٹک ہو گئے ہیں ہاشم میر.. اس کو نیچے لے آؤ“
مرتضی کے لمحے میں تشویش تھی ”نہیں آتا تو زبردستی لے آؤ.. اتنا و نچا بول رہا ہے کہ مزار شریف تک اس کی آواز پہنچ رہی ہو گی..“

”زبردستی کرنے سے گھوڑا تو نیچے چلا گیا تھا مرتضی بھائی.. گل شیر ولی نہیں آئے گا.. تھوڑا صبر کرو خود آجائے گا.. ادھر اکیلا توجہاد نہیں کرے گا.. پر یارا اس نظارہ کو چھوڑ کر نیچے آنے کا کافر دل نہیں مانتا..“

”نیچے آ جاؤ گل شیر..“ مرتضی نے دھمکی دی ”اگر قلعہ جنگی کے صحن میں چلتے پھرتے ہمیں کسی شماں نے نہیں دیکھا تو تم چاہتے ہو کہ اب کوئی دیکھ لے.. نیچے آ جاؤ ورنہ میں خود آتا ہوں..“

”میں تو آ جاؤں گا... لیکن ہمارا گورا بھائی جانی کیسے آئے گا جو ابھی تک ادھر لا شوں میں گھومتا ہے.. مجھک مجھک کر ان کے مردہ چہروں میں جانے کیا دیکھتا ہے..“

آنہیں پہلی بار احساس ہوا کہ جانی بھی ان میں نہیں ہے..

تاریکی میں کیا پتہ چلتا ہے کہ کون ہے.. اور کون نہیں ہے..

وہ گھوڑے کو بھول گئے اور جانی کے بارے میں فکر مند ہو گئے..

ان سب کے دماغوں میں فتور بھرا تھا.. یہ فتورنہ ہوتا تو وہ یہاں نہ ہوتے

اپنے اپنے گھروں کی آسائش میں ہوتے.. اس لیے کسی کو بھی سمجھایا نہ جا سکتا تھا صرف اُس کے بارے میں فکر مند ہوا جا سکتا تھا..

یونچے اپنے گھر میں پہنچ کر وہ بہت دیر تک نامیں نہ رہے تھے.. ہاتھ بڑھاتے ایک دوسرے کو چھوتے بھٹکتے رہے تھے اور پھر آہستہ آہستہ ان کی بینائی لوٹ آئی تھی اور اب وہ ایک دوسرے کی پہچان کر سکتے تھے.. اور انہیں پہلی بار احساس ہوا کہ جانی ان میں نہیں ہے..

”میں اُس کا پتہ کرتا ہوں .. وہ ہم سے زیادہ بہک گیا ہے“ ابو طالب پنجی پچی تھے خانے کے ایک کونے میں گراہانپ رہا تھا.. قلعہ جنگلی کے صحن میں چلتے چلتے وہ اپنی ہمت صرف کرچکا تھا.. پھر بھی اُس نے اٹھنے کی کوشش کی.. ”نہیں .. میں جاتا ہوں“ عبد الوہاب کے زخم اور بھوک اُسے کچوک دیتے تھے پھر بھی اُس نے اٹھنے کا چارا کیا..

”یار امیں اُس کو آواز لگاتا ہوں ..“ گل شیر نے انہیں تسلی دی ”شام دوہ بھول گیا ہے کہ اُسے ادھر اس تھے خانے میں اُترنا ہے اس لیے مارا مارا پھر تا ہے“ ”نہیں گل شیر ..“ عبد الوہاب ہر اساح ہو گیا“ ... آواز بلند نہیں کرو.. کوئی نہ کوئی سن لے گا .. نہیں ..“

”کیا بات کرتا ہے عرب بھائی .. ادھر صرف لاش لوگ پڑا ہے اور اُس کا کان نہیں سنتا.. جو کان سنتا ہے وہ ادھر یونچے مزار شریف میں یہاں سے بہت دور ہے .. اور وہ خانہ خراب موسیقی سنتا ہے .. او جانی ..“

گل شیر کی پکارنے پورے تھے خانے کو بھر دیا وہ اتنی بلند تھی .. او جانی .. اور پھر وہ اس تھے خانے میں سے ایک مرغولے کی طرح گھومتی نکلی اور جانی تک جا پہنچی جو قلعہ جنگلی کے صحن میں بکھری لاشوں کے میلے میں ایک گمشدہ بیچے کی مانند پریشان گھومتا تھا کہ اب کدھر جائے .. گھر کا راستہ کہاں ہے .. ماں باپ کا دست شفقت کہاں ہے اور واقعی وہ مکمل طور پر فراموش کرچکا تھا کہ وہ کہاں سے آیا تھا .. کیوں آیا تھا .. اور اب اُسے کہاں جانا ہے .. نہ اُسے اپنی گزشتہ زندگی یاد رہی

تھی اور نہ اُسے حال کی ابتلا کا کچھ پتہ تھا اور اس گمshedگی اور فراموشی کے عالم میں ”او جانی“ کی پکار نے جیسے اُسے مدھوٹی میں سے جھٹک کر ہوش تک پہنچا دیا اور اُسے احساس ہوا کہ اُس کے ساتھی اور گھوڑا جاچکے ہیں اور وہ پیچھے رہ گیا ہے.. وہ اپنے موجود کو پیچان کر اس ”او جانی“ کی پکار کے تنے رستے پر چلتا ہوا گل شیر ولی تک چلا گیا.. لاشوں کو بے دھیانی میں ٹاپتا کبھی کسی تہاہا تھہ کی ہتھیلی پر قدم دھرتا اور کبھی اپنے خول سے بہہ چکی بینائی والی آنکھوں پر ٹوٹ جاتا.. اُن آنکھوں کو جھک کر ”سوری“ کہتا گل شیر ولی تک چلا گیا..

”آئی ایم سوری.. مجھے پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا جو میں پیچھے رہ گیا“
 ”یارا ہم سب کو بھی کیا پتہ کہ کیا ہو گیا ہے..“ گل شیر نے اُس کے ذکر ہوئے بدن کو اپنی آغوش میں سمیٹ کر اپنی آنکھوں میں اترنی نمی کو سنبھالا دیا ”آو.. نیچے چلو“

جانی اور گل شیر.. میلے میں کھوئے گئے نیچے.. کچھ شرمندہ.. کچھ مجرم
 محسوس کرتے ہوئے سر جھکائے تھے خانے میں اترنے لگے..
 کورم پورا ہو گیا..

سب کے سب اپنی قبر میں موجود تھے..
 وہ بھی.. اور گھوڑا بھی..

گھوڑا شاہد اُن کے مجمع ہونے کا ہی منتظر تھا..

اس گھٹاٹوپ اندر ہیرے میں.. جب کہ جانی اور گل شیر کے سواب کی بینائی لوٹ آئی تھی.. گھوڑا بھی تک نابینا تھا..

نہیں جانتا تھا کہ اُس کی پشت اور پسلیوں پر جسے ہاتھ اُسے کہاں لے آئے ہیں.. لائے ہیں تو کیوں لے آئے ہیں..
 وہ ان سب کے ہاتھوں اور لمب سے نا آشنا تھا..

وہ بکھی بدخشاں کی لعل و جواہر کی کانوں کے آغوش میں پھیلے ایک وسیع اور بے دریغ سبزہ زار میں بگشت بھاگتا تھا اور اُس کے سموں تلے جو سرد گھاس دھتی جاتی تھی اُس کی سردی کا باعث اس میدان کے کناروں پر اُبھرتی برف آلود چوٹیاں تھیں.. اور وہ بے سوار بگشت بھاگتا تھا.. پھر اُس کی پسلیوں کے گرد ایک جنگجوکی ٹانگیں قوس ہوئیں اور وہ اُسے بدخشاں سے بھاگتا ہوا قندوز اور مزار شریف تک لے آیا.. اُس کے لمبے کانوں میں اس سے پیشتر صرف امن اور خاموشی تھی.. اور اب اُس کا سوار اُسے دھماکوں اور گولیوں کی بوچھاڑ میں بھاگتا تھا..

یہیں کہیں مزار شریف کے آس پاس.. اُس کا سوار کسی غیر ملکی طالبان کا نشانہ بن کر اُس کی پشت پر سے گرا تھا.. اور اُس طالبان کی زد میں اُس کی پچھلی ایک ٹانگ بھی آئی تھی اور وہ ایک گولی ابھی تک وہیں اُس ٹانگ میں ٹھہری ہوئی تھی اس لیے وہ لکڑا تھا..

اور وہ کئی روز سے بھوکا اور پیاسا تھا.. زخم خورده تھا.. اور اپنی پیاس بجھانے کی خاطر قلعہ جنگی کی لاشوں کو چاٹتا تھا کہ بے وقوفی میں خواہ مخواہ ہنہنا دیا تھا اور وہ اپنے تہہ خانے میں اُس کی خرب پا کر اُس تک آگئے تھے اور اُس کی مٹی میں گھستی بائیں تھام کر اس تاریکی میں لے اُترے تھے..

وہ ان سب کے ہاتھوں اور لمس سے اگرچہ نا آشنا تھا.. لیکن اُن میں صرف ایک ہاتھ ایسا تھا جس نے اُس کی پیٹھ کو تھپکا تھا تو وہ جان گیا تھا کہ صرف یہ شخص جانتا ہے کہ ایک گھوڑے کی پیٹھ کو کیسے تھپکا جاسکتا ہے۔

وہ شخص اور گل شیر.. میلے میں کھوئے گئے بچے.. کچھ شرمندہ.. کچھ محروم محسوس کرتے سر جھکائے تھے خانے میں اُتر آئے تھے..

گھوڑے نے نہنے پھلا کر آہستہ سے ایک پھر پھر سی آواز نکال کر اُس شخص کی موجودگی کو پسند کیا جو یہ جانتا تھا کہ ایک گھوڑے کی پیٹھ کو کیسے تھپکا جاتا

ہے .. لیکن وہ ابھی تک نابینا تھا.. وہ اس نا آشنا گھپ اندھیرے میں بے قرار اور بے چین ہونے لگا.. وہ یا تو دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کہاں ہے اور یا پھر یہاں سے نکل کر اُس کھلے میدان میں واپس جانا چاہتا تھا جہاں سے اُسے لایا گیا تھا.. مضطرب اور خوفزدہ حالت میں وہ گردن اکڑا کر زور سے ہنہنایا.. یہ ہنہنائی تھے خانے کی چھپت اور دیواروں سے نکل رہی گوئی خوبی اور لمحہ بھر کے لیے یوں لگا جیسے ایک نہیں درجنوں گھوڑے ہنہنارہ ہوں .. وہ سب اپنے اپنے مقام پر گھبراہٹ میں آگئے کہ ابھی گل شیر کی ”او جانی“ نے انہیں ہریافت کے خوف میں بٹلا کیا تھا اور اب یہ ہنہنائی تھے خانے سے نکل کر ان کی موجودگی کی تشریف کرنے پر قادر تھی .. وہ گھوڑے کو اس ناوجاپ حرکت پر ڈانٹ بھی نہیں سکتے تھے اس لیے چپ بیٹھے رہے تا آنکہ وہ ہنہنائی سیڑھیوں کے راستے تخلیل ہوتی یکسر خارج ہو گئی .. گھوڑے کی گھبراہٹ کو افادہ نہ ہوا اور اُس کا پیٹ پچلنے لگا اور وہ پیشاب کرنے لگا جس کی گرمی تھے خانے کے کچے فرش کو بھگوتی اس میں سے بلکل بھاپ بلند کرنے لگی .. اُس کی لید بھی خارج ہونے لگی ..

جانی نے سب سے پہلے اس اخراج کو ہوا میں محسوس کیا .. وہ اپنے ذاتی پونی براؤنی کی اس حالت سے آگاہ تھا .. جانی کے زخموں کا بھی .. کوئی شمارنہ تھا گھری خون آلود خراشوں کی کوئی گنتی نہ تھی .. وہ اندھیرے کو ٹوٹتا ہوا آگے ہوا اور گھوڑے کی پچھلی ٹانگوں کو تھام کر کچے فرش میں ابھی تک جذب نہ ہونے والے گرم پیشاب پر لیٹ گیا اور اُس کی گرمی کو اپنے ڈکھتے سرد بدن کے ہر حصے میں جذب کرنے کی کوشش میں فرش پر لوٹنے لگا ..

جہاں جہاں پیشاب کی گرم حدت بدن میں اثر کرتی وہاں راحت اور سکون کے نئے دروازے کھلتے جاتے ..

ہاشم کو بہت دیر بعد بھائی دیا کہ وہ کیا کر رہا ہے ”جانی ..“ اُس نے جھک

کر اُس کے شانے کو گرفت میں لیا ”کیا کر رہے ہو؟“

”تم لوگ بھی ایسا ہی کرو ہاشم.. تم سب کے لیے یہ پیشاب بہت ہے.. یہ اینٹی سپیک ہے.. اس میں اپنے بدن کو ڈبو دو.. جلدی کرو ورنہ یہ ٹھنڈا ہو جائے گا..“

”یارا یہ امریکی مسلمان تو ہے پر.. گندابہت ہے“ گل شیر نے اُس کی اس حرکت کو پسند نہ کیا.. ”ہمارا باپ اصلبل میں کام کرتا تھا پر مجال ہے گھوڑے کا پیشاب کا ایک چھیننا بھی اپنے اوپر پڑنے دیتا تھا.. وضو ٹوٹ جاتا ہے یارا“ جانی نے جواب نہ دیا پیشاب پر لوٹا رہا... اور کوئی بھی اس نسخے کو آزمائے پر ماکل نہ ہوا..

”ویسے جانی ٹھیک کہتا ہے.. ہمارے زخم ہمارے اعضا کو مردہ کر رہے ہیں.. مواد آکلوں کر رہے ہیں.. فساد خون کا باعث بن رہے ہیں اور پیشاب اس فساد کو روک سکتا ہے“

”لعنت بھیجو یارا.. فساد ہو جانے دو کیا فرق پڑتا ہے..“

گھوڑے نے لید بھی کر دی تھی.. لیکن جانی اُس سے دور رہا..

پیشاب کی گرمی لمحوں میں زائل ہو گئی اور وہ تہہ خانے کی فضا جتنا ہی ٹھنڈا ہو گیا.. فرش کا کچھ سخت اور سرد ہونے لگا.. جانی کا بدن کپکپانے لگا اور وہ گھستتا ہوا اپنے کونے میں جا بیٹھا.. بہت دنوں کے بعد اُس کی ٹیسیں قدرے کم ہوئی تھیں اور وہ اس وقت آرام میں اوگنگھنے لگا..

”ہم گھوڑے کو اس مقصد کے لیے یہاں نہیں لائے..“ ابو طالب چی چی کہیں سے بولا....

کسی نے بھی کچھ نہ کہا.. سب جہاں جہاں تھے نہ ہمال حالت میں چپ بیٹھے رہے..

”گھوڑے کو کون مارے گا؟“ پچی پچی نے کہا۔
گھوڑا بھی تک ایک کھیلنے کی چیز تھا۔
ایک کھیل تھا..

عید قربان کے بکرے کی مانند.. لاڈپیار کے لیے تھا.. کھیلنے کے لیے
تحا..

اور پھر یکدم اُس کے گلے پر چھری پھیر دینے کا لمحہ آگیا تھا..
”اسے آج کی رات رہنے دیں پچی پچی.. جو کرنا ہے کل کر لیں گے..“
ہاشم نے لجاجت سے اندر ہرے کو مخاطب کر کے کہا..

”اگر وہ ابھی تک ادھر نہیں آئے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کبھی نہیں
آئیں گے.. لاشوں کی بوجب مزار شریف کے گھروں میں پچھی چادروں میں سے
بھی آنے لگے گی تو وہ ادھر آئیں گے لاشیں اٹھانے اور اُنہیں ٹھکانے لگانے
کے لیے.. ہو سکتا ہے وہ کل صبح ادھر آنکھیں اور ان کی آوازیں سن کر گھوڑا تو
ہنہناۓ گا..“

”کل اور آج ختم نہیں ہو گئے.. ہو سکتا ہے کل نہ آئے..“
”اگر آگئی تو.. جیسے آج آگیا تھا..“

”ویسے پچی پچی.. گھوڑا پُر سکون ہو چکا ہے.. کچھ مانوس ہو چکا ہے.. کیا
حرج ہے اگر ہم اسے کل تک کچھ نہ کہیں..“

”مجھے تو کوئی اعتراض نہیں..“ پچی پچی ناراض ہو گیا ”تم سب بے شک
اس پر سوار ہو کر اس وقت قندھار چلے جاؤ مجھے کیا اعتراض ہے..“
سب نے اُس کی ناراضگی کو محسوس کیا۔

تہہ خانے سے وہ نکلے تھے۔ گرتے پڑتے ٹھوکریں کھاتے اپنی ہمت سے
کہیں بڑھ کر اپنی پچھی سکت جمع کرتے وہ صرف گھوڑے کے حصول کے لیے..

اُسے ہلاک کر کے اپنی بھوک مٹانے کے لیے تہہ خانے میں سے نکلے تھے.. لیکن ان چند لمحوں میں جب اُس کی باغ تھامے.. اُس کے آس پاس چلتے.. قلعہ جنگی کے صحن کی مکر چاندنی میں چلتے واپس تہہ خانے میں اترے تھے تو ان لمحوں میں وہ یکسر بھول گئے تھے کہ اس جانور کے حصول کا اصل مقصد کیا ہے اور وہ اُنہیں قربانی کے کمرے کی مانند عزیز ہو گیا تھا اور ان میں اُس کے گلے پر چھری چلا دینے کا حوصلہ نہ تھا۔

”بھائی جی.. میری انتزیاب بھوک سے خشک ہو کر گچھا مچھا ہو گئی ہیں.. ہاں جی.. کل تک انتظار نہیں کر سکتیں.. جو کرنا ہے آج ہی.. ابھی کرو.. نہیں تو کل تک میں نہیں نکالتا۔“ اللہ بخش کی آواز میں اتنی تقہست تھی کہ وہ بار بار کھانتا اور امکتا تھا..

”ہاں... ہاں۔“ عبد الوہاب نے صرف اتنا کہا۔
”گھوڑے کو کون مارے گا؟“ پیچی نے نہیں مرتفعی نے کہا۔“... تم گل شیر..“

”نہیں یارا.. ہمارا طبیعت خراب ہے.. کلاشکوف چلانے کو جی نہیں چاہ رہا.. ورنہ ہمارا لوگ تو انسان کو بے در لغت مارتا ہے جانور کیا چیز ہے..“
”بہانے نہیں بناؤ خال صاحب.. گھوڑوں کے بارے میں تمہارا تجربہ بہت وسیع ہے.. تمہارا باب پ بھی تو نواب کے بیمار گھوڑوں کو ہلاک کرتا ہو گا تو تم بھی کر سکتے ہو“

”وہ تو نواب خود اپنے ہاتھ سے مارتا تھا.. پر ایسیویث جا کر مارتا تھا کہتا تھا کہ ہمارا گھوڑا اعزت دار جانور ہے اسے اصطبل میں لید صاف کرنے والا لوگ نہیں مارے گا.. پیچی پیچی برادر بولتا تھا کہ گھوڑے کو مارو تو وہ خود مار لے..“
پیچی کی جانب سے کوئی جواب نہ آیا..

”بولو چی چی..“

”مرتضی بیگ ادھر ہمارے چھپنیا میں گھوڑوں کو اولاد کے برابر درج دیتے ہیں بلکہ اس سے بھی بلند.. اولاد کو مارنا مشکل ہوتا ہے.. کوئی اور بے شک مادر دے خود مارنا مشکل ہوتا ہے.. عبد الوہاب کو بولو.. یہ بدھ لوگ عادی ہوتے ہیں..“

عبد الوہاب بھی چپ رہا جب تک مرتضی نے اس سے نہ کہا کہ.. بولو
عبد الوہاب..

”اخی پیچی پیچی کہتا ہے کہ ان کے ملک میں گھوڑا اولاد کے برابر ہوتا ہے.. لیکن ایک عرب کے لیے گھوڑا عزت نفس ہوتا ہے.. ہم حسین“ کو شہید کر دیتے ہیں لیکن اس کے گھوڑے کو گزند نہیں پہنچاتے..“

”بھائی مجھے آزمائش میں نہ ڈالنا..“ اللہ بخش جان گیا کہ اب شائد اس کا نام پکارا جائے ”مجھے پتہ ہی نہیں کہ گھوڑے کو کیسے مارتے ہیں..“
”تاریکی میں صرف لبکی دبانی ہے کلاشکوف کی نالی اس کی جانب کر کے.. اور بس..“

”تو تم کرلو..“

گھوڑا جیسے مقدس ہو گیا تھا..

”اگر میں کر سکتا تو تم لوگوں کی منت سماجت کیوں کرتا..“ پیشیمانی مرتضی کے آواز میں معافی کی خواستگار ہوتی تھی ”جانی.. عبد الحمید سلمان الفارسی.. تم..“ ”نہیں..“ جانی نے صرف اتنا کہا..
”کیوں نہیں..“

”آئی لوہار سز.. آئی کیناٹ شوٹ ہار سز..“ جانی اپنی مختصر اردو بھول گیا اور بھڑک کر اپنی امریکی انگریزی میں روایا ہو گیا..

”تم انہیں وہاں.. میری لینڈ واشنگٹن میں.. یا شہلی کیلے فور نیا میں.. جب یہ بوڑھے یا ناکارہ ہو جاتے ہیں.. زخمی ہو جاتے ہیں تو تم انہیں شوٹ کر دیتے ہونا.. یہ گھوڑا بھی ناکارہ اور زخمی ہے.. تو سے شوٹ کردو“

”نو.. آئی کیناٹ..“ جانی کو محسوس ہوا کہ وہ نرنگے میں آگیا ہے.. ”وہائی ناٹ..“ تم نے بہت سے انسانوں کو شوٹ کیا ہے بے دریغ اور کسی بھی احساس جرم کے بغیر.. اور یہ جانے کے بغیر کہ جسے تم شوٹ کر رہے ہو اُسے شوٹ کرنے سے تمہارے تصور کامل کو کچھ تقویت ملے گی بھی یا نہیں.. وہ معصوم ہے.. اس احساس جرم کے بغیر تو.. ایک جانور کو اپنی بھوک مٹانے کی خاطر ہلاک کرنے سے کیوں جھمختے ہو..“

”اس لیے ڈیم اٹ..“ جانی ہشڑیائی کیفیت میں پیچھے لگا، ”اس لیے کہ جنگ ہم کرتے ہیں اپنی من مرضی.. اپنے آدرش اور اپنی جنت کے حصول کے لیے.. گھوڑے تو نہیں کرتے.. ہم ان کی پشت پر سوار انہیں جنگ کی جانب دھکلتے ہیں.. ان میں ان کی مرضی شامل نہیں ہوتی.. اس لیے یہ معصوم.. بے گناہ اور مجبوری کی حالت میں دھکلیے جانے والے ہوتے ہیں.. میں انہیں شوٹ نہیں کر سکتا.. آئی کیناٹ!“

”کم آن جانی.. یو کین ڈواٹ..“ ہاشم میر نے ہلاشیری دی۔

”آئی کیناٹ..“

”ہم پر وہ وقت آنے والا ہے جانی.. جب ہم اس گھوڑے کو زندہ کھا جانے کے بارے میں سوچنے لگیں گے.. اپنی تمامتر گھوڑا اخلاقیات.. کہ یہ ہمیں اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہے.. ہماری عزت نفس ہے.. ہم یہ سب بکواس بھول کر اپنی بھوک اور پیاس کے سامنے سرگلوں ہو کر اسی گھوڑے کی پشت پر اپنے دانت گاڑھ کر مٹکلوں کی ماندہ اس کا خون پینے لگیں گے.. ہم پر وہ وقت آنے والا ہے..“

ابھی ہم میں کچھ سکت باقی ہے.. اگر اب ہم اسے ہلاک کر کے اس کا گوشت نہیں نگتے تو کل تک.. اگر کل آئی تو.. ہم اتنے لاغر اور لاچار ہو چکے ہوں گے کہ اسے مارنے کے لیے ہماری انگلیوں میں کلاشکوف کی لبلی بھی نہیں دبائی جائے گی.. کم آن جانی..”

”وہاںی ڈو یو پک آن می..“ جانی نقابت کے باوجود چیخ اٹھا“ میں ہی کیوں؟.. تم میں سے کوئی ایک کیوں نہیں.. ایک سے ایک بڑھ کر جری اور سورما ہو تم کیوں بہانے بنا رہے ہو.. میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ میں ایک گھوڑے کو بکھی نہیں مار سکتا.. آنکھیں بند کر کے بھی اُس پر فائز نہیں کر سکتا کیونکہ وہ فائز میرے دل میں لگے گا اُس میں چھید کر دے گا.. میں نہیں کر سکتا.. تم ہم سے کہتے ہو مر لفظی.. خود کیوں نہیں مار دیتے..“

”میں..“ مر لفظی ٹھنک گیا“ میں؟“

”ہاں تم... مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ گھوڑوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو.. میں نے دیکھا ہے کہ تم انہیں بیدردی سے پیٹھے ہو.. اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ لاغر ہوتے ہیں ان کی پیٹھے مار پیٹ کے زخموں سے بھری ہوتی ہے اور تم ان پر بوجھ لاد کر انہی زخموں پر چاہک برساتے ہو..“

”اور تم نہیں کرتے؟“

”نہیں، ہم گھوڑوں سے پیار کرتے ہیں.. تم لوگ نہیں کرتے..“
”ہم؟... واہ... ابھی تک تمہارا نسلی غرور ختم نہیں ہوا امریکی.. تم ابھی تک ”ہم“ ہو اور ہم اب بھی ”تم لوگ“ ہو.. رنگ و نسل کے جھگڑے ختم نہیں ہوئے..“ مر لفظی کی کڑواہٹ عروج پر تھی..

ہاشم اس جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن وہ مر لفظی کی کڑواہٹ سے فکر مند ہوا، یہ کوئی وقت اور مقام نہ تھا اس قسم کی بحث کا ”دیکھو مر لفظی.. بلکہ اپنے

کان کا رُخ اس جانب کرو جدھر میں دیوار سے لگا بیٹھا ہوں... جانی کا نقطہ نظر سمجھنے کی کوشش کرو.. میں تو اُس کی کیفیت کو آسانی سے سمجھ رہا ہوں لیکن تم بھی کوشش کرو.. مغرب کے لوگ جانوروں کے لیے ایک نرم گوشہ رکھتے ہیں ان سے بے جا ہی سہی بہت پیار کرتے ہیں... میں ان کے درمیان میں پلا برٹھا ہوں اور ان کے احساسات سے آگاہ ہوں..”

”ہاں تم تو سمجھ سکتے ہو.. ان کے احساسات سے آگاہ ہو سکتے ہو ہاشم میر.. کیونکہ تم بھی تو ایک الگ نسل کے ہو..“ مرتضی بے وجہ جوش میں آگیا.. ”بلکہ انہی کی نسل سے ہو.. انگلینڈ میں پیدا ہوئے، بے شک تمہارے ماں باپ پاکستان سے گئے لیکن تم تو وہاں کے جم پل ہو انہی کے رنگ میں رنگے ہوئے.. اسی لیے ان کی اخلاقی قدروں پر یقین رکھتے ہو.. انسان کو مار دو لیکن گھوڑے کو مت مارو..“

”آئی ڈونٹ نیڈاے سرٹیفیکٹ فرام یو مرتضی.. آرائی ڈن الیس“ ہاشم بھی ابلنے لگا ”میں نے جو کچھ قربان کیا ہے تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے..“ ”ہم پر احسان کیا ہے؟“

”نہیں.. میں نے کسی کے لیے بھی کچھ نہیں کیا جو کیا ہے اپنے لیے کیا ہے... جس کا ز پر یقین رکھتا ہوں اُس کے لیے کیا ہے اور مجھے کوئی شرمندگی نہیں ہے..“

”تمہیں صرف ایک مسلمان ہونے کی نسبت ایک برش موزلم ہونے پر زیادہ فخر ہے..“

”ہاں اس میں حرج کی کوئی بات نہیں.. برطانیہ میرا وطن ہے اور مجھے اس پر فخر ہے.. لیکن میں نے ایک پر آسائش امن کی زندگی ترک کی ہے.. تم نے کیا ترک کیا ہے اس کا ز کے لیے.. غربت، بھوک اور..“

”ایسا نہ کرو برا در... ایسا نہ کرو..“ پچھی کی آواز زندگی ہوئی تھی ”ہم میں آج تک .. پچھلے تین روز سے کوئی اختلاف نہیں ہوا اور واقعی نہ یہ مقام ہے اور نہ وقت ... یہاں اس تھے خانے کی قبر میں ہم کتنی سانسیں اور جیسیں گے .. دو تین دن شاکد .. یا شاکد کل صبح تک ہم مرے پڑے ہوں .. اور تم آپس میں جھگڑا کرتے ہو .. ایسا نہ کرو برا در...“

”لیکن چی چی بھائی .. ہاشم ہمیشہ جانی کے قریب رہتا ہے .. آپس میں انگریزی بولتے ہیں .. اور ہم سے الگ رہتا ہے ..“

”اس لیے اللہ بخش کہ .. ہم دونوں میں بہت کچھ مشترک ہے .. تم میں اور مجھ میں عقیدے اور رنگ کی سانجھ تو ہے لیکن میں کیا کروں میرے اور تمہارے درمیان اور کچھ بھی مشترک نہیں .. میں مجبور ہوں کہ میں جانی کو اور وہ مجھے بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے .. ہم دونوں ایک ہی ثقافتی ماحول کی پیداوار ہیں .. ایک دوسرے کے مزاج کو .. حس مزاج کو سمجھ سکتے ہیں .. اور اگر ایسا ہے تو اس میں تم بتاؤ کہ کیا حرج ہے؟“

”کوئی حرج نہیں ..“ مرتضیٰ کا زہر کم نہیں ہو رہا تھا ”مجھے یہ بھی علم ہے کہ اگر کسی معجزے سے ہم زندہ نہ گئے اور پکڑے گئے تو جانی .. تمہارے بہت سے حقوق ہوں گے جو امریکی آئین تمهیں دیتا ہے اور ہاشم .. تم برطانوی شہری ہو .. اور برطانوی حکومت تمهیں بھی تھا نہیں چھوڑے گی .. اور ہم تینوں .. میں، گل شیر اور اللہ بخش .. ہماری حکومت تو ہماری گردنوں میں رستی ڈال کر گھٹیتی ہوئی ہمیں اپنے آقا کے قدموں میں ڈال دے گی .. کہ سر..“

”پلیز .. یہ کیا ہو رہا ہے ..“ جانی کی شکل دکھائی نہیں دیتی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں یکدم جونہی اُتر آئی تھی وہ تاریکی کو مزید دھندا نے لگی ”پلیز .. ہم سب جان بوجھ کر ایک ہارنے والی بساط کے فہرے بنے ہیں .. کیونکہ ہم باقی دنیا کی

مانند ایک نامرد اور بیکار زندگی نہیں گزار سکتے تھے اپنے آئینڈ میل پر ایمان رکھتے تھے..
ہم میں سے کچھ ایسے بھی ادھر آئے جو ملاؤں کے مکر اور سحر میں اندر ہے ہو کر
ادھر آگئے اور یہاں پہنچ کر ان پر کھلا کر ان کے ساتھ کیا کھیل کھیلا گیا ہے اس
لیے کہ ملا پیچھے رہ گئے.. احتجاجی جلوس نکالنے اور چندے جمع کرنے کے لیے..
لیکن ہم میں سے بیشتر اپنے شعور کے تابع ایک پروقار موت کے لیے اپنے
پورے ہوش و حواس کے ساتھ ادھر آئے تھے.. ایک بڑے تصور کے لیے
جد و جہد کرنے والے اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کا گریبان نہیں
پکڑتے.. رنگ و نسل اور شہرت کے طعنے نہیں دیتے.. مرتضیٰ اگر امریکی آئین
کے تحت دیئے جانے والے حقوق کا مجھے اتنا ہی چاؤ ہوتا تو میں اپنے ماں باپ، گھر
بار اور اپنے آبائی عقیدے کو ترک کر کے مرنے کے لیے ادھر آ جاتا.. تمہارے
طعنے اور دشام سننے.. اس سے بہتر تھا کہ میں کشمیر میں ہی شہید ہو جاتا...”

”تم.. کشمیر میں بھی تھے؟“ مرتضیٰ کی کڑواہٹ یکنخت حیرت میں بدلتی..
”ہاں.. میں وہاں ایک امریکی ٹورست کے بھیس میں گیا تھا.. بھیس
میں کیا میں تھا ہی امریکی.. اور کسی نے مجھ پر شک نہ کیا.. تب میں یمن سے عربی
سیکھ کر آیا تھا لیکن مجھے اردو بھی بہت تھوڑی آتی تھی.. مجھے وہاں جو ساتھی ملے
آن سے تو میں بات بھی نہیں کر سکتا تھا..“

”سوری جانی.. پلیز فار گو می..“ مرتضیٰ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا جدھر جانی تھا
ادھر گیا اور اُس کے بھوک اور رخموں سے مسار ہوتے بدن کو آغوش میں لے
لیا ”سوری جانی.. ہم سب وہ تو نہیں رہے جو کبھی نارمل انسانوں کی طرح تھے کچھ
اور ہو گئے ہیں.. رنگ و نسل کے تعصبات زائل نہیں ہوتے اور ہمیں شرمندہ
کر دیتے ہیں.. میں بھی شرمندہ ہوں اور میں جانتا ہوں کہ ہم سب میں سے تم نے
بہت کچھ گنوایا ہے.. اپنے عقیدے، اپنے ماں باپ اور وطن کو ترک کیا ہے.. میں

تمہاری قدر کرتا ہوں .. سوری جانی ”

”فارگٹ اٹ مرتفی .. اٹ پسز ..“

”اور ہاشم میر .. میں تم سے بھی شرمند ہوں .. سوری ..“ وہ اُس کے
قریب نہیں گیا اور جانی کے پاس سے ہی بولا ..

”لو جی یہ تو بہت ہی اچھا ہوا .. بھائیوں کی صلح ہو گئی ہے ..“ اللہ بخش کے
تنے ہوئے اعصاب پر سکون ہو گئے ”ویسے بھائی مرتفی .. ہاشم کہتا تو ٹھیک ہے
ناا .. ہمارے گاؤں کے بہت سارے لڑکے یورپ اور ولیت سمگل ہوئے .. کچھ
بڑے بڑے ٹرکوں میں چھپ کر گئے تو سانس بند ہونے سے مر گئے چھا چھا
ہو کر .. کچھ ڈوب مرے پر جو پہنچ گئے ہیں ان کی تو موجیں ہو گئیں پونڈوں کے
ڈھیر کمائے انہوں نے .. ہم سب ان کے نصیب پر رشک کرتے تھے .. میرے
پاس بھی کچھ رقم ہوتی تو میں بھی کوشش کرتا ہے شک مر جاتا .. رقم نہیں تھی تو
مدرسے میں جا بیٹھا .. تو جو بندہ وہاں کا ہو .. جم پل ولیت کا ہو تو وہ سب کچھ چھوڑ
چھاڑ کے یہاں آجائے شہید ہونے کے لیے تو بڑی بات ہے جناب عالی .. کم سے
کم مجھے تو واقعی نہیں پتہ کہ ہاشم کیا کیا عیش چھوڑ کر آیا ہے ..“

کڑواہٹ ان کے درمیان میں سے رخصت ہو گئی ..

وہ باتیں کرتے رہے .. گلے شکوے کے غصیلے .. عمر کی نادانی کے کچھ
بہاؤ میں بہتے بہتے وہ کنارے سے آگئے تھے اور شرمندہ تھے اور تہہ خانے کی تاریکی
میں فرش کے مختلف حصوں میں پڑے تھے، دیواروں کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے
تھے اور باتیں کرتے تھے ..

صرف گھوڑا تھا جو کھڑا تھا ..

خاموش تھا ..

اور منتظر تھا ..